اسلامی بینک کاری: نظام، طریق کار اور بعض علماکے اعتراضات کا مطالعہ

(Islamic Banking: A Study of Concept, System and Some Scholars' Objections)

شازیہ*
ڈاکٹر شیر علی**

Abstract

The conventional interest free banking system based on ethical principles of Islam seemed to be impracticable. Nobody was prepared to believe that banks could be established and made sustainable without interest. However, banking system was Islamized by serious efforts of Muslim Scholars and consequently, interest free banks were established in some Muslim countries and some Non-Muslim countries have set-up such interest free banking systems. A group of contemporary Muslim Scholars disapproves of such Banking system and believes it to be impermissible as well. They have objections against this new way of Islamic Banking initiated by some other contemporary Muslim Scholars. They believe that this new way of banking is another prototype of subtly banking with interest. Thus, according to their hypothesis it cannot be termed as true Islamic Banking.

Key Words: Banking, Islamization, Islamic scholars, opinions

عصر حاضر میں سودی نظام کی ایک شکل بینکنگ کا نظام ہے، لیکن بینکنگ موجودہ حالات میں بوجوہ ایک مجبوری بھی بن گئی ہے۔ دوسری طرف اس پر علما کا عمومی اتفاق ہے کہ بینک کاری کا روایتی نظام یا کنونشنل بینکنگ سود پر مبنی ہے، جو اسلام

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اسلامیات و عربی، جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد
**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامیات و عربی، جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد

کے نقطۂ نظر سے حرام ہے۔ اس تناظر میں علمائے کرام کی ایک جماعت نے سودی نظام کا متبادل پیش کیا ہے، جس کے ذریعے ایک مسلمان اپنی بچت شدہ رقموں کو کاروبار میں لگا کر ترقی میں معاون اور منافع کا صحیح حق دار بن سکتا ہے۔ لیکن کچھ علما اس اسلامی بینکاری نظام کو ناپسند کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ نظام بھی سودی بینکاری نظام کا چربہ ہے، لہٰذا یہ بھی اسلامی نقطۂ نظر سے حرام اور ممنوع کے زمرے میں ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اسی تناظر میں اسلامی بینک کاری اور اس پر بعض علماکے اعتراضات کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

پاکستان میں غیر سودی مالکاری کے لیے جدوجہد

پاکستان کا قیام اس مقصد کے لیے عمل میں آیا تھا کہ برصغیر کے رہنے والے مسلمانوں کو ایک ایسی آزاد اور خود مختار مملکت حاصل ہو جہاں وہ اپنے نظریہ حیات یعنی اسلام کے اُصولوں کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کر سکیں۔ چنانچہ "قرار داد مقاصد" کی روشنی میں 1956ء میں پاکستان کا پہلا دستور تیار اور نافذ کیا گیا تو اس میں مملکت کے رہنما اُصولوں کے ضمن میں من جملہ اور باتوں کے یہ بھی تحریر کیا گیا کہ ریاست جلد از جلد ربا یعنی سود کو ختم کرنے کے لیے اقدامات کرے گی۔ 1962ء کے آئین پاکستان میں "حکمت عملی کے اُصول" کے عنوان کے تحت سود کے خاتمہ کے عزم کا اعادہ کیا گیا اور پھر 1973ء کے آئین میں بھی "حکمت عملی کے اُصولوں" کے تحت قرار دیا گیا کہ ریاست جتنی جلدی ممکن ہو سود کو ختم کرے گی۔[1] اگرچہ پاکستان کے ہر آئین میں سود کے خاتمہ کو ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل کیا گیا لیکن بدقسمتی سے اس سلسلہ میں عملی اعتبار سے کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا۔ تاآنکہ 1979ء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم کی حکومت نے ملکی قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لیے اقدامات شروع کیے تو پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار سود کے انسداد کے لیے ضروری لائحہ عمل تیار کرنے کے کام کی ابتداء کی گئی۔ اس سلسلہ میں ماہرین معاشیات اور بینکاری کے تجربہ کار افراد کا ایک گروپ تشکیل دیا گیا، جس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ اس مسئلہ کا پوری طرح جائزہ لے کر ملکی معیشت سے سود کے خاتمہ کے لیے مناسب تجاویز تیار کریں۔ اس گروپ نے 1979ء میں اپنی عبوری رپورٹ پیش کی جس کے مطابق پاکستان سرمایہ کاری کارپوریشن (Investment Corporation of Pakistan i.e. ICP)، قومی سرمایہ کاری ٹرسٹ (National Investment Trust i.e. NIT)، اور تعمیر مکانات کی مالی کارپوریشن (House Building Finance Corporation i.e. HBFC) کی کارگزاری کو مکمل طور پر سود سے پاک کر دیا گیا۔ 1980ء میں ماہرین کے اس گروپ نے اپنی حتمی رپورٹ پیش کی جس کا اسلامی نظریاتی کونسل میں تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس میں ضروری تبدیلیاں تجویز کرکے اپنی حتمی رپورٹ جون 1980ء میں حکومت کو پیش کی۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز کے مطابق ملک میں بلاسود بینکاری کا ایک تدریجی لائحہ عمل تیار کیا گیا، جس کے تحت یکم جنوری 1981ء کو قومیائے گئے پانچ تجارتی بینکوں میں نفع و نقصان میں

[1] ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ (کراچی: صدیقی ٹرسٹ، س ن)، 9۔

شراکت(Profit and Loss Sharing i.e. PLS) کی بنیاد پر لوگوں سے امانتیں (Deposits) وصول کرنے کا انتظام کیا گیا اور ان بینکوں کو واضح طور پر ہدایات دی گئیں کہ وہ PLS کھاتوں میں جمع کرائے جانے والے سرمایہ کو غیر سودی کاروبار میں ہی لگائیں۔ تاہم غیر سودی کھاتوں کے ساتھ ساتھ سابقہ سودی نظام بھی بدستور قائم رہا تاآنکہ یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو حکومت نے سودی نظام کو کلیتہ ختم کرنے کا اعلان کیا اور تمام بینکوں کے لیے لازم کردیا کہ سٹیٹ بینک کے تجویز کردہ بارہ طریقوں کے مطابق ہی اپنے کاروبار کو انجام دیں۔[2] ملکی معیشت کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے سلسلہ میں اگرچہ معیشت کے تمام شعبوں کو اسلامی اُصولوں اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے تاہم بالعموم اس سے بینکاری نظام کو سود سے پاک کرنا ہی مراد لیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بلاسود بینکاری کا آغاز تقریباً بیس سال قبل ہوا تھا۔ 1979ء سے 1985ء تک کے عرصہ میں حکومت کی طرف سے اس سلسلہ میں بڑے موثر اقدامات کیے گئے۔ غیر سودی میعادی وغیر میعادی کھاتے کھولے گئے اور نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر لوگوں سے امانتیں وصول کی گئیں اور انھیں غیر سودی کاروبار میں لگایا گیا اور یکم جنوری 1986ء سے تمام بینکوں کو سودی امانتیں وصول کرنے کی ممانعت کردی گئی لیکن اس کے بعد صورت حال میں تبدیلی آنی شروع ہوگئی۔[3]

اسلامی بینکاری کی ضرورت

آج کے دور میں بینک بہت مفید اور ناگزیر خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ اس قسم کے نظام کے بغیر جدید ترقی یافتہ معیشت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ نظام بینکاری کی اس اہمیت کے پیش نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بینکاری کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے؟ اس سوال کا ایک صاف اور سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ جدید نظام بینکاری سود (الربا) پر مبنی ہے۔ اور اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ جب کہ بینکوں کی افادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ اس لیے نظام بینکاری کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جدید نظام بینکاری معاشرے میں ناانصافی، ظلم، وسائل کے ضیاع اور قوموں کے درمیان وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کا باعث ہے۔ لہٰذا درج ذیل خالص لادینی اور عقلی بنیادوں پر بھی بلاسود بینکاری ایک مہذب انسانی معاشرے کی ضرورت ہے:

(الف) بینک سرمایہ کاری کے لیے تاجر پیشہ افراد کو سودی قرضے دیتے ہیں، جب کہ کاروبار میں نفع ونقصان کی ذمہ داری کاروباری فرد پر ہوتی ہے۔ نقصان کی صورت میں بھی کاروباری افراد کو سود کی مکمل رقم ادا کرنا ہوتی ہے، جب کہ منافع اگرچہ سود سے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، کاروباری افراد کو صرف مقررہ سود ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ کہ دونوں معاملات فریقین میں سے ہر ایک کے ساتھ ناانصافی کا باعث بنتا ہے اس لئے ناانصافی کے ازالہ کے لئے غیر سودی بینکاری ضروری ہے۔

(ب) سود پر مبنی معیشت میں بینک چاہتا ہے کہ اس کا سرمایہ بمعہ سود اسے واپس مل جائے۔ اور بینک سرمایہ کے استعمال

---

[2] تنزیل الرحمٰن، اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ، 20۔

[3] تنزیل الرحمٰن، اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ، 20

کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرتا ہے۔لیکن اس کی بنیادی دلچسپی اس بات سے ہوتی ہے کہ سرمایہ قابل اعتبار ہو۔اور تسلی بخش ضمانت فراہم کر رہا ہو۔اس صورت میں عموماً سرمایہ کار قابل اعتبار ہو۔اور تسلی بخش ضمانت فراہم کر رہا ہو۔اس صورت میں عموماً بہترین استعدادی (Efficient) تقسیم کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا اور معاشرے میں بہت سے ایسے کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کر دیا جاتا ہے جو معاشرے کے نقطہ نظر سے سب سے زیادہ منافع بخش نہیں ہوتے البتہ بینک کے معیار اہلیت قرضہ پر پورا اُترتے ہیں۔اس طرح بہت سے اہم اور معاشرے کے لئے منافع بخش کاموں کے لئے سرمایہ فراہم نہیں ہو پاتا۔اور کسی کاروبار کے لئے سرمایہ صرف اسی صورت میں فراہم ہو پاتا ہے۔جب اس پر متوقع شرح منافع (Expected rate of profit) شرح سود سے زیادہ ہو۔اس طرح سود بہت سے مفید کاموں میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

(ج) صارفین کے قرضوں (Consumption loans) پر سود کی وصولی سراسر ناانصافی ہے۔ حالانکہ صارفین اس قرض سے کوئی دولت پیدا نہیں کر رہے ہوتے۔ لیکن بینک ان سے قرض دی ہوئی رقم پر سود کا طالب ہوتا ہے۔جو کہ نہ تو معاشی لحاظ سے اور نہ ہی اخلاقی نقطۂ نظر سے مناسب ہے۔

(د) بین الاقوامی قرضوں کے معاملہ میں بھی سود جس طرح کا استحصالی کردار ادا کرتا ہے۔اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

قرض دینے والے بھاری شرح سود کے ساتھ اپنی مصنوعات کی فروخت اور اپنے ماہرین بھی روانہ کرتے ہیں۔جس کی وجہ سے قرضوں کا بڑا حصہ واپس انہیں کو مل جاتا ہے۔اس طرح سود ان غریب ممالک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور ان کے عوام کے معیار زندگی میں اضافہ کی بجائے کمی کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے سود کسی طور پر بھی پسندیدہ نہیں ہے۔اور اس کا متبادل نظام وقت کی ضرورت ہے۔

اسلامی بینکاری کی وسعت

اسلامی بینکاری کا آغاز اب سے تقریباًپینتالیس برس قبل ۶۰ کی دھائی میں دوبئ اسلامی بینک سے کیا گیا اس کے بعد سے مستقل طور پر اس نظام پر مبنی نئے اسلامی بینک وجود میں آرہے ہیں۔موجودہ نظام کی تیز رفتار ترقی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ترقی کی شرح 23.1% ہے۔جب کہ موجودہ سودی بینکاری کی ترقی کی شرح 7.1% سے زیادہ نہیں۔اس کے علاوہ اب اسلامی بینک اور اسلامی تمویلی اداروں (Islamic Financial Institutions) کی مجموعی تعداد تین سو سے زائد ہے اور ان کے مجموعی اثاثے 450 بلین ڈالرز سے زائد ہیں۔یہ اندازہ 2015ء کی رپورٹ سے لیا گیا ہے۔[4] اسلامی بینک ان مسلمانوں کے لیے بہت مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔جو لوگ اپنی بچتیں حلال طریقے سے سرمایہ

[4] Cibafi IFSI Performnace indicator 2005 2IBM "Banking 2015: Defining the future of Banking"WWW- 03.ibm.com/industries

کاری میں لگانا چاہتے ہیں۔اوراسی طرح وہ حضرات جو اپنی مختلف ضروریات کے پیش نظر بینکوں سے مالی تعاون کے محتاج ہوتے ہیں مثلاً گھر، گاڑی یا اپنے تجارتی سازوسامان کی خریداری اپنے کسی پروجیکٹ کے لیے سرمایہ کی ضرورت یا درآمدات اور برآمدات کے لیے مالی تعاون کی ضرورت وغیرہ۔ ہر اسلامی بینک کے معاملات کی شرعی نگرانی کے لیے ایک شرعی مشیر (شریعہ ایڈوائزر) یا علما پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے، جسے، شریعہ بورڈ بھی کہا جاتا ہے، اس میں عموماً ان علمائے کرام کو مقرر کیا جاتا ہے، جنھیں نہ صرف شرعی اور فقہی علوم پر بصیرت ہو بلکہ انگریزی اور موجودہ معاشیات اور بینکاری سے بھی کماحقہ واقفیت ہوتی ہے۔ شریعہ ایڈوائزر یا شریعہ بورڈ بینکوں کی تجارت اور اس کے مختلف پروڈکٹس کی تشکیل میں اہم کام سرانجام دیتے ہیں۔ گویا اس طرح بینکاری اور تجارت کے شعبہ سے وابستہ افراد اور مذہبی حضرات کے درمیان اجنبیت میں کافی کمی واقع ہوئی ہے۔ دنیا بھر میں موجود اسلامی بینکاری کے طریقہ کار، اصولوں، پروڈکٹس، آڈٹ کے طریقوں اور اکاؤنٹنگ وغیرہ کی متفقہ اصول سازی (Standardization) کے لئے ایک ادارہ بحرین میں قائم کیا گیا ہے۔ جس میں دنیا بھر کے علماء کرام، بینکاری، اکاؤنٹنٹس وغیرہ مل کر یہ کام سرانجام دیتے ہیں اس ادارے کا نام Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions (AAOIFI ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی بینکاری کی متفقہ قانون سازی(Prudential Regulations) وضع کرنے کے لئے بھی ایک ادارہ وضع کیا گیا ہے اس کا ہیڈ کوارٹر ملائیشیا میں ہے۔ اس کا نام اسلامک فائنانشل سروسز بورڈ (IFSB) ہے اور اس کی متفقہ قرار دادیں بازل کمیٹی نے بھی منظور کی ہیں۔[5]

اسلامی بینکاری کے طریقہ کار کی وضاحت

اسلامی بینکاری کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں سرمایہ لگا کر جو لوگ بینک قائم کریں گے وہ حصہ دار (Equity/share holder) کہلائیں گے۔ پھر عوام کی جو رقوم بینک میں جمع ہوں گی ان کی رقوم میں سے عندالطلب قرضوں (Current account) کے علاوہ بقیہ تمام کھاتے مضاربت، مشارکت کھاتے میں تبدیل ہو جائیں گے۔ عندالطلب قرضوں (Current account) میں تمام رقوم بینک کے پاس (فقہی نقطہ نظر سے) قرض ہوں گی، کھاتہ دار ہر وقت بذریعہ چیک ان کی واپسی کا مطالبہ کر سکے گا۔ اور ان پر کوئی منافع کھاتہ دار کو نہیں دیا جائے گا۔ موجودہ نظام بینکاری میں بھی اس مد پر کوئی خاص منافع نہیں دیا جاتا۔ البتہ اگر کھاتہ دار مضاربہ، مشارکہ کی بنیاد پر بینک میں پیسے رکھوائیں گے تو اس رقم سے بینک جو منافع حاصل کرے گا۔ اس میں کھاتہ دار اپنے حصوں کے بقدر شریک ہوں گے۔ عندالطلب قرضوں اور مضاربہ، مشارکہ کھاتوں کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقوم میں سے ایک حصہ بینک محفوظ رکھ کر بقیہ سرمایہ سے مختلف قسم کی تجارتوں مثلاً شراکت، مضاربہ، خرید و فروخت (مرابحہ)، کرایہ

---

[5] Cibafi IFSI Performnace indicator 2005 2IBM "Banking 2015: Defining the future of Banking"WWW- 03.ibm.com/industries.

داری (اجارہ) وغیرہ میں لگائے گا۔[6]

پاکستان میں اسلامی بینکاری اور اس پر تنقید کرنے والوں کی اقسام

ملک پاکستان میں اسلامی بینکاری کے تعارف اور اس کی ترویج وشہرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی وساطت سے ہوئی ہے بلاشبہ اسلامی بینکاری کو مولانا کی شخصیت کا سہارا نہ ملتا تو اس کے پاوں ہر گز نہ جم پاتے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جاسکتا کہ پورے نظام کے صحیح یا غلط ہونے کے ذمہ دار بھی مولانا ہی ہیں۔ تاہم مولانا کا مروجہ اسلامی بینکاری میں جو حصہ اور کردار ہے وہ آپ کی فراہم کردہ فقہی بنیادیں ہیں۔ چنانچہ اس نظام پر بہت زیادہ تنقید بھی کی گئی ہے، اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں تین طرح کے ناقدین ملتے ہیں۔

پہلی قسم

پہلی قسم ان بعض سکالرز، پروفیسرز اور فلاسفرز کی ہے جو مغربی فلسفے سے اتنے مرعوب ہیں کہ انہیں دنیا کے ہر ڈھانچے اور خاکے کی بنیادوں میں مغربی فلسفے کا رنگ نظر آتا ہے، ان کی تنقید فکری اور نظریاتی قسم کی ہے جب کہ یہ معاملہ تو فقہی ہے؛ اس لیے ان کی تنقید ایک ضمنی نوعیت کی ہے؛ جو دلائل کے اعتبار سے انتہائی کمزور معلوم ہوتی ہے۔

دوسری قسم

ناقدین کی دوسری قسم وہ علمائے کرام ہیں جن کی تنقید کا محور مولانا تقی عثمانی کی فراہم کردہ فقہی بنیادیں ہیں مگر ان کی تنقید کے دو پہلو بہت زیادہ کمزور ہیں ؛ اول یہ کہ انھوں نے مروجہ اسلامی بینکاری کے عملی تطبیقی نظام کی خرابیوں کا ذمہ دار بھی مولانا کو ٹھہرایا ہے دوسرا یہ کہ ان کی گفت گو میں وہ عالمانہ شان نہیں ہے جس کے مستحق مولانا ہیں۔

تیسری قسم

ناقدین کی تیسری قسم ارباب فقہ وفتاوی ہیں جن میں بعض حضرات مولانا تقی عثمانی کے اساتذہ اور ملک کے معتبر و مستند دارالافتا کے مفتیان کرام ہیں، جنھوں نے خالصتا فقہی بنیادوں کو ہدف تنقید بنایا ہے اور دلائل سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابھی تک اس نظام میں بہت سارے سقم موجود ہیں ؛ اسے خالصتا اسلامی بینکاری کہنا درست معلوم نہیں ہوتا۔[7] ان علما کی رائے یہ ہے کہ مروّجہ بینکاری سودی نظام پر مشتمل ہے اور سود کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہے لہٰذا مروجہ بینکاری کا نظام حرام ہے جسے کنونشل بینکنگ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور معاصر دور کے علماء نے جو اسلامی بینکاری کے نام سے نظام چلایا ہے ان علما کو اس میں بھی تحفظات ہیں کیوں کہ ان کی تحقیق میں یہ نظام بھی سودی بینکاری نظام کا چربہ ہے، لہٰذا اسے مکمل طور پر اسلامی نہیں کہا جاسکتا۔

---

[6] مفتی محمد شفیع، غیر سودی بینکاری (کراچی: دارالاشاعت، س ن)، 56۔

[7] رفقاء دارالافتا جامعۃ العلوم الاسلامیہ، مروجہ اسلامی بینکاری تجزیاتی مطالعہ، شرعی جائزہ، فقہی نقد و تبصرہ (کراچی: مکتبہ بینات، 2008ء)، 48، 49۔

مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادیں اور اس پر اعتراض

جن فقہی بنیادوں پر اسلامی بینکاری کا نظام وابستہ ہے ان میں مشارکہ، مضاربہ، مرابحۃ، اجارہ، سلم، استصناع، شخص قانونی، عموم بلوی، حیل وتتبع رخص اور فتوی بمذہب الغیر وغیرہ اصطلاحات شامل ہیں۔ اسلامی بینکاری کے جواز کے لیے مذکورہ اصطلاحات کو جس طرح استعمال کیا گیا ہے اور اس جواز پر جو دلائل قائم کیے گئے ہیں ان پر عدم جواز کے قائلین کی طرف سے بہت زیادہ شبہات پیش کیے گئے ہیں۔ اگرچہ ان کے شبہات کے جواب میں بھی لٹریچر لکھا جاچکا ہے لیکن بہر حال اختلاف ابھی تک برقرار ہے۔ ذیل میں مروجہ اسلامی بینکاری میں مستعمل ایک اصطلاح ''شرکت'' کی توضیح کے ساتھ ساتھ اس پر کچھ شبہات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے عدم جواز کے قائلین کے دلائل کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شرکت کی اقسام

شرکت کی ابتداء دو قسمیں ہیں: شرکتِ ملک، شرکتِ عقد۔

شرکتِ ملک: دو یا زیادہ آدمیوں کا کسی چیز کا مالک بننا جیسے ایک آدمی مر گیا تو اب اس کی جائیداد میں تمام ورثہ شریک ہیں اور ان کی شرکت شرکتِ ملک ہے۔[8]

شرکتِ عقد: یعنی تجارتی شرکت جس سے مقصود نفع حاصل کرنا ہو۔ پھر شرکت عقد کی چار اقسام ہیں: 1۔ شرکتِ مفاوضہ 2۔ شرکت عنان 3۔ شرکتِ تقبل یا شرکتِ صنائع 4۔ شرکتِ وجوہ۔

شرکتِ مفاوضہ

دو یا زیادہ آدمی آپس میں شرکت کا معاہدہ کریں اور سرمایہ، تصرفات اور نفع و نقصان سب میں برابر برابر ہوں، کم زیادہ نہ ہوں اور نفع کی تقسیم بھی سرمائے کے مطابق ہو۔ جیسے زید، بکر اور خالد نے اپنا کل سرمایہ جو کہ ایک لاکھ تھا، جمع کرکے شرکت کی اور یہ طے بھی کیا کہ ہر ایک عمل بھی کرے گا اور ہر ایک کو نفع و نقصان میں ایک تہائی حصہ ملے گا۔ اس میں ہر ایک شریک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور کفیل (ضامن) بھی۔

شرکتِ عنان

دو یا زیادہ آدمی آپس میں شرکت کا معاہدہ کریں اور سرمایہ، تصرفات اور نفع و نقصان سب میں کم و بیش ہوں، برابر برابر نہ ہوں۔ مثلاً زید، عمرو، بکر نے شرکت کی زید کا سرمایہ ایک لاکھ ہے اور عمرو کا دو لاکھ اور بکر کا تین لاکھ، اور نفع بھی اسی تناسب سے طے ہوا کہ بکر کو آدھا نفع ملے اور عمرو کو ایک تہائی حصہ ملے گا اور زید کو نفع کا چھٹا حصہ ملے گا۔

شرکتِ تقبل یا شرکت صنائع

دو یا زیادہ آدمی کسی عمل کی بنیاد پر آپس میں شرکت کرلیں، مثلاً دو درزی یا دو رنگ ریز آپس میں شریک بن کر لوگوں سے کام لیں اور نفع آپس میں حسبِ معاہدہ تقسیم کرلیں، اس کو شرکت ابدان بھی کہتے ہیں۔

---

[8] احمد ممتاز، غیر سودی بینکاری: ایک منصفانہ علمی جائزہ (کراچی: جامعہ خلفائے راشدین، 2017ء)، 327۔

شرکتِ وجوہ

شخصی وجاہت کی بنیاد پر شریک بن کر کاروبار کرنا جیسے دو آدمی، جنہیں سب لوگ جانتے پہچانتے ہوں، شریک بن کر جان پہچان کی بنیاد پر مارکیٹ سے اُدھار مال خرید کر اس کو بیچیں اور نفع نقصان ضمان کے حساب سے ہو۔

شرکتِ بنوکیہ کی تعیین

شرکتِ بنوکیہ "شرکتِ عنان" ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[9] مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنی کتاب "غیر سودی بینکاری" میں لکھا ہے: "جو لوگ بینک کے اکاؤنٹ میں رقمیں جمع کرتے ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ شرکت کرتے ہیں پھر یہ سب مل کر بینک سے مضاربت کرتے ہیں جس میں اکاؤنٹ ہولڈر ارباب الاموال ہیں اور بینک مضارب ہے۔"[10]

تنبیہ

مولانا تقی عثمانی نے یہاں شرکت کا نام نہیں لیا لیکن مراد ان کی بھی یہاں شرکت سے شرکت عنان ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جامعہ دار العلوم کراچی سے شائع ہونے والے ایک مضاربت نامہ میں انھوں نے اس شرکت کو صراحتا شرکتِ عنان تحریر فرمایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: "فریق اوّل مذکورہ اور دیگر اربابِ اموال جنہوں نے فریق ثانی کو اپنا سرمایہ مضاربت کی بنیاد پر دیا/دیں گے، ان کے درمیان شرکتِ عقد (بصورتِ شرکتِ عنان) کا معاملہ وجود میں آگیا/آ جائے گا، لہٰذا ان شرکاء کے درمیان شرکتِ عنان والے احکام کی پابندی کی جائے گی۔"[11]

اسی طرح مولانا تقی عثمانی کے صاحب زادے مولانا عمران اشرف عثمانی اپنی کتاب میں "کمپنی شرکت کی کس قسم میں داخل ہے؟" کے متعلق تیسرا نقطہء نظر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کمپنی کی شرکت کس قسم میں داخل ہے؟ پھر اس میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ شرکتِ عنان میں داخل ہے۔ یہ رائے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اور موجودہ دور کے اکثر علمائے عرب اور عجم بشمول ڈاکٹر عبدالعزیز خیاط اور الاستاذ علی الخفیف اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم وغیرہ کی ہے۔"[12]

اور شرکتِ عنان سب سے آسان شرکت ہے، اور اس میں بڑی گنجایش ہے، شرکتِ مفاوضہ میں اتنی گنجایش نہیں رہتی، لہٰذا بینکوں کی شرکت شرکتِ مفاوضہ نہیں بن سکتی، اور شرکتِ وجوہ اور شرکتِ صنائع بھی نہیں۔ لہٰذا یہاں شرکتِ عنان ہی بن سکتی ہے، اس لیے کہ شرکتِ عنان میں کسی شریک کو کم نفع دینے اور کسی شریک کو زیادہ نفع

---

[9] احمد ممتاز، غیر سودی بینکاری: ایک منصفانہ علمی جائزہ، 338۔

[10] مفتی تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2018ء)، 312۔

[11] مفتی تقی عثمانی، فتاویٰ بیع مشارکۃ (کراچی: دارالافتاء جامعہ دار العلوم، 2016ء)، 312۔

[12] ڈاکٹر عمران علی عثمانی، شرکت و مضاربت عصر حاضر میں (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2018ء)، 317۔

دینے کی گنجائش ہے جب کہ شرکتِ مفاوضہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ عقدِ شرکت و مضاربت میں خوشی و رضا سے کیے جانے والے خلاف شرع وعدے کرنا و شرائط لگانا، نیز ان کو پورا کرنا اور کسی کی خوشی سے بھی ایک کا حق دوسرے کو دینا ناجائز اور حرام ہے، مفتی محمد تقی عثمانی تحریر کرتے ہیں:

> اگر کسی خلافِ شرع بات کا کوئی وعدہ کیا گیا ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں، مثلاً ایک شریک دوسرے شریک سے یہ وعدہ کرے کہ اگر کاروبار میں کوئی نقصان ہوگا تو میں اس کی تلافی کرکے تمہیں دوں گا تو یہ وعدہ بھی چونکہ سارا نقصان ایک فریق پر ڈالنے کا موجب ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لیے یہ وعدہ بھی جائز نہیں۔[13]

مفتی تقی عثمانی کی اس واضح تحریر کے بعد بینکوں کے حمایتی جب دلائل کی روشنی میں سمجھ جاتے ہیں کہ واقعی ہمارے اس نظام میں یقیناً ایک کا حق دوسرے کو دیا جارہا ہے، اور یہ اکل بالباطل اور حرام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے "يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْ كُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[14] کے ذریعے منع فرمایا ہے تو اب حمایتی حضرات یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ یہ حق دوسروں کو اصحابِ حق کی خوشی سے کھلایا جارہا ہے، جب کہ اس عذرِ لنگ کا بطلان مفتی صاحب موصوف کی عبارت سے واضح ہے۔

بینک میں شرکت کرنے کے عدمِ جواز کی وجوہ

جوازِ شرکت دو باتوں پر موقوف ہے: 1۔ عقد شرعی اُصولوں کے مطابق ہو 2۔ کاروبار بھی شرعی اُصولوں کے مطابق صحیح ہو۔ عقد شرعی اُصولوں کے مطابق ہو، جب کہ پانچ وجوہ سے یہ عقد شرعی اُصولوں کے مطابق نہیں بلکہ فاسد ہے۔

عقدِ شرکت بنوکیہ کے فساد کی وجوہ خمسہ

1۔احناف کے نزدیک شرکتِ اموال (عنان و مفاوضہ) کے جواز کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بوقتِ عقد سب شرکاء کا سرمایہ نقد ہو، جب کہ بینک میں قدیم شرکاء (وہ اکاؤنٹ ہولڈرز جن کا سرمایہ پہلے سے بینک کے پاس کاروبار میں لگا ہوا ہے) کے سرمایہ کا بعض حصہ عروض (سامان اور اثاثوں) کی صورت میں ہوتا ہے، جب کہ جدید شریک (نئے اکاؤنٹ ہولڈرز) کی طرف سے نقد اور بعض (یعنی قدیم اکاؤنٹ ہولڈرز) کی طرف سے عروض (سامان اور اثاثے) ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔[15]

کیا اسلامی بینکوں کا کاروبار شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں چار باتوں کا اطمینان ضروری ہے: 1۔کاروبار سرمایہ کے مطابق ہو۔ 2۔ کاروبار جائز ہو۔ 3۔روزمرہ کے

---

[13] مفتی تقی عثمانی، ، غیر سودی بینکاری، 312

[14] النساء 4:29۔

[15] احمد ممتاز، غیر سودی بینکاری: ایک منصفانہ علمی جائزہ، 342۔

معاملات شرعا درست ہوں۔ 4۔ نفع و نقصان کی تقسیم کا طریقہ کار شریعت کے مطابق ہو۔

کاروبار سرمایہ کے مطابق ہے یا نہیں؟

اس کے اطمینان کے لیے ضروری ہے کہ کل سرمایہ معلوم ہو جب کہ بینک میں کل سرمایہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتا، بلکہ معلوم ہونا ممکن ہی نہیں اور کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ اس ماہ یا سال کتنے سرمایہ سے کاروبار ہوا کیوں ان بینکوں میں ہر دن بلکہ ہر گھنٹہ و منٹ میں سرمایہ بدلتا رہتا ہے حالانکہ نفع و نقصان کی صحیح تقسیم کے لیے بوقتِ تقسیم شرعا یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ابتدائے عقد سے ہمارے پاس اتنا سرمایہ تھا جس سے اب تک کاروبار ہوا گویا کہ پوری مدتِ تجارت میں سرمایہ کا ایک ہونا اور بوقتِ تقسیم معلوم ہونا ضروری ہے:

> **قال الامام السرخسی رحمه الله تعالی: و كذلک لا يصحّ أن يكون رأسُ مال أحدهما دراهم و رأس مال الآخر عروضا فی مفاوضة ولا عنان ، لجهالة رأس المال فی نصيب صاحب العروض علی ما بيّنا.**[16]
>
> امام سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان میں یہ بات بھی درست نہیں کہ دو پارٹنرز میں سے ایک کی طرف سے دراھم ہوں اور دوسرے کی طرف سے کوئی سامان ہو، وجہ یہ ہے اس طرح کرنے سے سامان پیش کرنے والے کی طرف سے راس المال میں جہالت رہ جائے گی اور جہالت باعث نزاع ہوتی ہے۔

البتہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بوقت عقد شرط ہے اور احناف کے نزدیک وقت شراء تک بھی اگر معلوم ہو جائے تو درست ہے۔[17] اس کا حاصل یہ ہے کہ جب تحقیقی اور واقعی بنیادوں پر سرمایہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا تو اب منافع تخمینہ اور اندازے سے تقسیم ہوں گے، اور اس صورت میں یقینا ایک کا حق دوسرے پاس ناحق طور پر جائے گا اور یہ ناجائز، حرام اور اکل بالباطل ہے۔ اسی وجہ سے قربانی کی گائے کے گوشت کی تخمینہ اور اندازہ سے تقسیم کو بھی کتبِ فقہ میں ناجائز اور حرام لکھا ہے، اگرچہ یہ تقسیم باہمی رضامندی سے ہی کیوں نہ ہو۔ روز مرہ کے معاملات بھی خلاف شرع ہیں: کیوں کہ ان بینکوں میں جو اجارات و بیوعاتِ مرابحہ ہوتے ہیں وہ درج ذیل وجوہ سے فاسد اور ناجائز ہیں، اور معاملاتِ فاسدہ بحکم سود اور ان سے حاصل ہونے والا نفع حرام ہے اور واجب التصدق ہے، جب کہ بینک بجائے تصدق کے ان حرام منافع کو ارباب الاموال (اکاؤنٹ ہولڈرز) میں تقسیم کرکے سب کو حرام کھلاتا ہے۔

وجوہِ مفسدہ

(الف) مقتضائے عقد کے خلاف شرائط لگائی جاتی ہیں جیسے محدود ذمہ داری کی شرط پر خریداری کرنا، عقد سے قبل وعدہ

---

[16] شمس الائمہ سرخسی، المبسوط (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، 1997ء)، 11: 174۔

[17] الکاسانی، بدائع الصنائع (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، 1987ء)، 5: 54۔

اجارہ و بیع کرکے اس کو پورا کرنے پر مجبور کرنا، اور انکار کی صورت میں جرمانہ کرنا، تاخیر قسط کی صورت میں التزام تصدق کی شرط لگانا وغیرہ وغیرہ۔ (ب) سیکورٹی ڈیپازٹ جو کہ قرض ہے استیجار اور شراء کا نفع حاصل کرنا جو "کل قرض جر منفعۃ فھو ربا" میں داخل اور صریح سود ہے۔ (ج) اجارہ میں شے موجر کی مرمت کے اخراجات مستاجر کے ذمہ لگانا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں دو بڑے گناہ ہیں: 1۔ سود کا گناہ، کیوں کہ بیوعات اور اجاراتِ فاسدہ بحکم سود ہیں اور سود کی قباحت سب کو معلوم ہے۔ 2۔ بیع فاسد سے جو سامان خریدا جائے اس پر نفع حاصل کرنا، حرام اور اکل بالباطل ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ بینک میں رقم جمع کرنے والے سب سود اور حرام کھانے کے گناہ کے مرتکب ہیں۔ اور ان پر واجب ہے کہ آج تک نفع کے نام سے جس قدر لے چکے ہیں، اس کو مساکین پر بدون نیت ثواب صدقہ کریں۔ بینکوں کا نفع و نقصان کی تقسیم کا طریق کار بھی خلاف شرع ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ تقسیم منافع کے دو طریقے لکھے گئے ہیں:

منافع کی تقسیم کا طریقہ اوّل

جیسے زید اور عمرو نے بیس بیس لاکھ جمع کرکے چھ ماہ تک کاروبار کیا، چھ ماہ کے بعد بکر سے بھی بیس لاکھ لے کر اس کو بھی ایک تہائی کاروبار میں شریک کر لیا، اور یہ طے کر لیا کہ سال کے آخر میں بکر کو کل سالانہ منافع کا ٦/١ حصہ دیا جائے گا۔ چونکہ یہ طریقہ "ربح مالم یضمن" کو متضمن ہے اس لیے ناجائز ہے۔ اگر شروع چھ ماہ میں چالیس لاکھ پر بارہ لاکھ نفع ہوا اور آخری چھ ماہ میں بکر کے سرمائے کے آنے کے بعد ساٹھ لاکھ پر چھ لاکھ نفع ہوا، تو اب اس صورت میں بکر چونکہ آخری چھ ماہ میں شریک ہوا ہے تو اس کو صرف آخری چھ ماہ کے نفع میں سے ٣/١ یعنی دو لاکھ ملنا چاہیے، اور ابتداء کے چھ ماہ میں چونکہ نہ یہ شریک تھا اور نہ اس پر ضمان تھا، لہٰذا اس کا نفع صرف زید اور عمرو کو ملنا چاہیے، نہ کہ بکر، جب کہ تجویز کردہ طریقے میں بکر کو بھی ملتا ہے، کیوں کہ ابتداء کے بارہ لاکھ + آخری چھ لاکھ، یہ کل اٹھارہ لاکھ ہوئے جن کا ٦/١ تین لاکھ ہوئے، یہ بکر کا حصہ ہوا، اس حصے میں بکر کو گذشتہ ان چھ ماہ کا بھی ایک لاکھ نفع دیا گیا، جن میں بکر پر ضمان نہیں تھا، لہٰذا یہ نفع عبارات فقہیہ کے خلاف اور ناجائز اور حرام ہے۔[18] نیز آخری چھ ماہ میں گذشتہ چھ ماہ کے نفع جس کی مقدار بارہ لاکھ ہے، سے بھی کاروبار ہوا ہے، لہٰذا اس کا نفع بھی صرف زید اور عمرو کو ملنا چاہیے، جب کہ تجویز کردہ طریقہ کار میں اس نفع میں بکر کو بھی شریک کیا گیا ہے، حالانکہ اس شرکت کے جواز کی کوئی شرعی وجہ نہیں ورنہ بتا دی جائے۔[19]

منافع کی تقسیم کا طریقہ دوم

جن دنوں میں سرمایہ حقیقتاً کم ہے اور اوسطاً زیادہ ہے ان میں اس رب المال (اکاؤنٹ ہولڈر) کو "ربح مالم یضمن" (یعنی بدون ضمان نفع) حاصل ہوا جو کہ حرام ہے اور دوسروں پر ظلم ہے اور جن دنوں میں سرمایہ زیادہ اور اوسط

---

[18] احمد ممتاز، غیر سودی بینکاری: ایک منصفانہ علمی جائزہ، 360۔

[19] رفقاء دار الافتاء، غیر سودی بینکاری (کراچی: مکتبہ الرشید، 2018ء)، 98۔

کم ہے تو ان میں دوسروں کو "ربح مالم یضمن" حاصل ہوا اور اس پر ظلم ہوا۔[20] جب کہ نقصان کی صورت میں اس کا عکس ہے (یعنی اگر کاروبار میں بجائے نفع کے نقصان ہوا تو جن دنوں میں اوسط زیادہ ہے اور سرمایہ کم ہے، ان دنوں میں اس کو نقصان کم ہونا چاہیے تھا، جب کہ اس کو سرمائے سے زیادہ نقصان دیا جارہا ہے اور یہ اس پر ظلم ہے، اور جن دنوں میں سرمایہ زیادہ اور اوسط کم ہے ان دنوں میں اس کا نقصان زیادہ ہونا چاہیے، جب کہ اس پر کم نقصان ڈالا جارہا ہے جو دوسروں پر ظلم ہے۔[21] اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ بینک والے احادیثِ ثلاثہ جن میں اُصولِ مسلمہ کا بیان ہے، کی خلاف ورزی اور حضرات فقہاء کرام کی تصریحات سے صَرفِ نظر کی وجہ سے ناجائز، حرام اور اکل بالباطل کے مرتکب ہیں۔

خلاصہء بحث

قیام پاکستان کے ساتھ ہی اس کی معیشت کو سود سے پاک کرنے کی کوششوں کا آغاز ہو گیا تھا، 1956ء، 1962ء اور 1973ء کے قوانین اس کوشش کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ پھر اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز کے مطابق ملک میں بلاسود بینکاری کا ایک تدریجی لائحہ عمل تیار کیا گیا جس کے تحت یکم جنوری 1981ء کو قومیائے گئے پانچ تجارتی بینکوں میں نفع و نقصان میں شراکت (Profit and Loss Sharing i.e. PLS) کی بنیاد پر لوگوں سے امانتیں (Deposits) وصول کرنے کا انتظام کیا گیا؛ جس کی وجہ سے ملک پاکستان میں غیر سودی بینکاری کی طرف پیش قدمی کا آغاز ہو گیا۔ پاکستان میں غیر سودی بینکاری کے حوالے سے سب سے زیادہ خدمات مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی ہیں جنھوں نے اس حوالے سے فقہی بنیادیں فراہم کرکے کافی حد تک ان مسائل کا حل پیش کر دیا، جس کے بعد مستقل پیمانے پر اسلامک بینکنگ کا قیام عمل میں آیا؛ ان میں شرکت، مضاربت، مرابحہ، اجارہ، سلم اور استصناع وغیرہ اصطلاحات شامل ہیں۔ مروجہ اسلامی بینکنگ کو جن خطوط پر استوار کیا گیا ان پر شروع دن سے مختلف طبقات کی طرف سے شبہات پیش کیے جاتے رہے ہیں؛ ان طبقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جن میں سے دو طبقات کے شبہات قابل التفات ہی نہیں، تیسرا طبقہ جن کا تعلق فتویٰ اور دارالافتا سے ہے؛ ان کے شبہات قابل التفات بھی ہیں اور دلائل سے مزین بھی؛ ہماری رائے میں جن خطوط پر اسلامک بینکنگ کو استوار کرنے کی کوشش کی گئی ہے انھیں مل بیٹھ کر درست سمت پر لانے کی علمی و فقہی کوششیں درکار ہیں۔ جن حضرات نے فقہی بنیادیں فراہم کی ہیں ان پر شبہات کرنے کی بجائے انھیں داد دی جائے، اور جو جو رکاوٹیں درمیان میں حائل ہیں انھیں درست کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

---

[20] رفقاء دارالافتاء، غیر سودی بینکاری، 134-130۔

[21] مفتی تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری، 317۔